ڈاکٹر طارق محمود ہاشمی
اسسٹنٹ پروفیسر،شعبہ اُردو،گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی،فیصل آباد
محمد عدنان اقبال
سکالر ایم فل اُردو،گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی،فیصل آباد

جدید اُردو نظم کی تین آوازیں اور فکرِ گوتم

Gotam is founder of Budhism. His philosophy of peace and love has impressed mankind all over the world. He has remained a very attractive character for fiction writers. It is a noticeable point that modern Urdu poetry is much influenced by him. From Iqbal to contemporary age, many poets has written poems that are based on his philosophy. These poets have expressed not only biographical aspects of his life but also seen his personality as metaphoragaist bloodshed.

جدید اردو نظم نے جہاں متنوع اور لا تعداد موضوعات اور افکار کو اپنے دامن میں سمویا وہاں اِس پر مختلف تہذیبوں، تحریکوں اور تاریخی شخصیات کے اثرات بھی واضح دکھائی دیتے ہیں۔ اردو نظم کے آغاز میں ہندی اور بعد ازاں مغربی فکر کے اثرات واضح طور سے دکھائی دیتے ہیں۔ جدید اردو نظم پر نامور اہلِ دانش ، قابلِ قدر مفکرین، فلسفیوں اور دیگر تاریخی شخصیات جنہوں نے اپنے کردار و عمل سے انسانی تہذیب و تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کیے، کے اثرات واضح طور سے دکھائی دیتے ہیں۔جدید اردو نظم میں جن شخصیات اور اہلِ دانش کی فکر کو بطورِ خاص موضوع بنایا گیا، ان میں اہم نام مہاتما گوتم بدھ کا ہے۔ جدید اردو نظم پر گوتم بدھ کے اثرات نمایاں ہیں۔ جدید اردو نظم نگاروں نے گوتم کی فکر اور فلسفے کو اپنا موضوع بنایا اور گوتم کا ذکر علامتی،استعاراتی اور تلمیح کے طور پر بھی کیا ہے۔ چند جدید اردو نظم نگاروں نے گوتم بدھ کے فلسفے کو بطورِ خاص اپنی نظموں کا موضوع بنایا اور بیشتر اردو نظم نگاروں نے چند نظموں میں جزوی طور پر گوتم کا ذکر کیا ہے۔ تاہم جن جدید اردو نظم گو شعرا کے ہاں گوتم بدھ کے فکر و فلسفے کے اثرات نمایاں ہیں،اُن میں ستیہ پال آنند،ڈاکٹر اسلم انصاری اور اشرف یوسفی کے نام نمایاں ہیں۔

جدید اردو نظم میں ستیہ پال آنند ایک توانا آواز ہیں۔ ستیہ پال آنند نے گوتم کی فکر کو بطورِ خاص اپنا موضوع بنایا۔ ان کا شعری مجموعہ ''تتھا گت نظمیں'' گوتم کی فکر کے حوالے سے لائقِ ذکر ہے۔ مذکورہ شعری مجموعے کی تمام نظموں میں گوتم بدھ کے فلسفے کو منظوم صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ ستیہ پال آنند کا شعری مجموعہ ''تتھا گت نظمیں'' گوتم بدھ کے افکار و تعلیمات کے حوالے سے نہایت اہم ہے۔ ۲۰۱۵ء میں شائع ہونے والے اس شعری مجموعے کا انتساب بھکشو آنند کے نام ہے۔ اس شعری مجموعے میں نظموں کی تعداد انتیس ہے۔ مجموعے کے آخر پر ستیہ پال آنند کا مختصر تعارف اور ستیہ پال آنند کا مضمون ''تتھا گت نظموں کے نزول کی کتھا'' کے عنوان سے درج ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے گوتم بدھ کے خاص

چیلے آنند اور صدیوں بعد کھوکھر قبیلے سے منسلک آنند کی داستان بیان کی ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ ان کا تعلق بھی کھوکھر قبیلے کے آنند سے ہے۔

آنند سنسکرت زبان کا لفظ ہے اور تاریخی اعتبار سے گوتم بدھ کے خاص چیلے کا نام بھی آنند ہے۔ گوتم بدھ خود کو تتھا گت کہا کرتے تھے۔ مذکورہ شعری مجموعے کی پہلی نظم ''نرواں کا کوئی راستہ نہیں ملتا'' کے عنوان سے ہے۔ اس نظم میں انہوں نے گوتم کے خاص چیلے آنند کی کہانی بیان کی ہے اور خود کو اسی آنند کا وارث بتایا ہے مگر شاعر کو افسوس ہے کہ وہ آنند بھکشو کی طرح اپنے گیان کو بانٹ نہ سکا:

میں تتھا گت کا چہیتا، پہلا چیلا
آج کے یُگ کے سفر کا (اور حضر کا)
ستیہ پال آنند اتنا جانتا ہوں
میں نے خود کو کس طرح دھوکا دیا ہے
مجھ کو بھکشا سے غرض تھی
صرف لینا جانتا تھا
مانگ کر کھانا ہی میرا اوڑھنا تھا
مجھ کو اس کا علم کب تھا
مانگنے والے کی جھولی میں کسی کو
دان دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہوتا۔۔۔
سوائے گیان کی دولت کے، یعنی
آگ، چٹکی بھر نمک، تھوڑے سے چاول ۔۔۔(۱)

نظم ''یسوع'' میں ستیہ پال آنند نے گوتم کے اس وعظ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بھکشو آنند نے گوتم سے مکتی اور آواگون کے چکر سے نجات پانے کا طریقہ دریافت کیا مگر گوتم نے اسے نصیحت کی کہ آنے والے جنم میں گوتم پانچ صدیاں بعد یسوع کی شکل میں دوبارہ جنم لے گا اور تمام بھکشو یسوع کے مخالف ہوں گے۔ بھکشو آنند اور گوتم بدھ کے مکالمے کو ستیہ پال آنند نے منظوم صورت میں یوں بیان کیا ہے:

دست بستہ
پھر کہا آنند نے، بھگوان، میں آواگون سے
مکت ہونا چاہتا ہوں

روح کو آزاد کرنا چاہتا ہوں!

بدھ بولے
میں تو اب اس جسم کا چولا بدلنے جا رہا ہوں
جانتا ہوں تم سبھی شاگرد میرے
آنے والے اس جنم میں بھی مرے ہمراہ ہو گے
جس میں مجھ کو دائمی مصلوبیت کی وہ سعادت بھی ملے گی
جس کو پا چکنے سے میں آواگون سے
چھوٹ کر نروان حاصل کر سکوں گا
میرے پیروکار، تم آنند ۔۔۔ اور دیگر سبھی دو
''بدھ کی میں شرن میں جاتا ہوں'' کہہ کر
سنگھ میں شامل ہوئے تھے
آنے والے اس جنم میں
(جو کہ میرا آخری ہے)
تم مرے ایمان سے منکر، مجھے کاذب کہو گے
تم مری مصلوبیت میں دوسروں کا ساتھ دو گے! (۲)

گوتم بدھ نے مکتی یا نروان کو حصول کے لیے کسی نئے بندھن کو رکاوٹ قرار دیا۔ ایک بار آنند دان میں کسی فاقہ کش عورت سے بچہ لے آیا۔ گوتم نے اسے نئے بندھن سے بچنے کے لیے وہ شیر خوار بچہ کسی عورت کو دان دینے کا درس دیا۔ خیرات لے کر خیرات بانٹنا بدھ مت مذہب میں جائز اور مقدس کام ہے۔ ستیہ پال آنند کی نظم ''رضاعت'' کے چند مصرعے اس معاملے پر روشنی ڈالتے ہیں:

دان لے کر دان دے دینے میں کیا حجت ہے بھکشو؟
جاؤ، دیکھو، اس نگر میں
عورتیں ہوں گی جو بچوں کو ترستی پھر رہی ہیں
کوئی گھر ڈھونڈو ۔۔۔ کسی عورت کی خالی گود بھر دو
اس طرح تم بھی نئے بندھن سے مکتی پا سکو گے
یاد رکھو ۔۔۔ دان لے کر دان دے دینے کی کوئی حد نہیں ہے! (۳)

ستیہ پال آنند کی نظم ''اپنے حصے کا ثمر'' گوتم بدھ کے نظریہ آواگون پر روشنی ڈالتی ہے۔ ہندو مذہب میں آواگون کا

نظریہ ایک اہم مذہبی عقیدے کے طور پر جانا جاتا ہے۔ گوتم بھی کسی نہ کسی شکل میں آواگون کے عقیدے پر اعتقاد رکھتے تھے۔ اس نظم میں شاعر نے گوتم سے ایک بھکشو کے مکالمے کو بیان کیا ہے۔ گوتم کے مکالمے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بدھ مت مذہب میں آواگون ایک مذہبی عقیدہ ہے مگر گوتم کا ماننا ہے کہ انسان کے اعمال (کرم) کسی صورت ضائع نہیں ہوتے اور ان کی سزا و جزا اگلے جنم میں ملتی ہے۔ گوتم کا ماننا ہے:

فکر وقول وفعل کی کوئی برائی
اس جنم میں یا کسی پچھلے جنم میں کی گئی اچھائیوں کو
ختم کر دیتی ہے۔۔۔ جیسے رنگ اک تصویر کے
آلائشوں کی گرد سے، ماحول کی آلودگی سے
ماند پڑ کر ختم ہو جاتے ہیں آخر
ہاں، عمل کی عمدگی سے تم اگر نیکی کرو تو
فکر وقول وفعل کی آلودگی، ساری برائی
اس جنم کی، یا کسی پچھلے جنم کی صاف ہو جاتی ہے (۴)

ستیہ پال آنند کی نظم ''ہست اور نیست'' گوتم کے تصورِ خدا کو آشکار کرتی ہے۔ شاعر نے مذکورہ نظم کے آخر میں ایک تحریر میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ بدھ مت مذہب میں جنت اور دوزخ کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ مذکورہ نظم کو شاعر نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر حصے میں بھکشو آنند جب گوتم سے خدا، جنت اور دوزخ کے بارے میں استفسار کرتا ہے تو گوتم یوں گویا ہوتا ہے:

چپ رہا کچھ دیر بھکشو، پھر یکا یک بول اٹھا
''جنت دوزخ نہیں ہیں، تو تتھا گت
کیا خدا جیسی کوئی ہستی نہیں ہے؟''

''ہاں، خدا جیسی کوئی ہستی نہیں ہے!''
بدھ کی آواز میں نرمی تھی، لیکن
گومگو کی کوئی کیفیت نہیں تھی (۵)

یہ بات یاد رہے کہ گوتم بدھ دیوی دیوتاؤں اور خدا کے وجود سے انکاری نہیں تھا بلکہ وہ خدا پر حد درجہ اعتقاد اور عبادات کو بے سود تصور کرتا تھا۔ گوتم کا یہ ماننا تھا کہ اس دنیا میں ایسی کوئی ہستی نہیں جسے نیست نہ ہو۔ گوتم درحقیقت انسان

کو خدا پرستی سے باز رہنے کا درس دیتا ہے۔تا کہ انسان کسی دوسری ذات پر انحصار کرنے کی بجائے خود پر انحصار اور اعتماد کرے۔محمد مظہر الدین صدیقی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''بدھ مت انسان سے خود اعتمادی کا مطالبہ کرتا ہے۔اس کا دعویٰ ہے کہ انسان اپنی کوشش اور جد و جہد سے زندگی کی بلند ترین منازل تک پہنچ سکتا ہے۔''(۶)

جب بھکشو گوتم سے کائنات ، خدا، قدرت اور ہستی سے متعلق دریافت کرتے ہیں تو گوتم یوں جواب دیتا ہے:

''ہاں، کوئی ہستی نہیں ہے
ایک مفروضہ ہے ہستی کا تصور
ہست کیا ہے؟ نیست کیا ہے؟
ایسا استفسار ہی بے معنی و مقصد ہے، بھکشو!
ہست کا کوئی تصور
نیست کے حتمی تصور کے بنا ممکن نہیں ہے!''(۷)

گوتم بدھ نے جب لوگوں کو مواعظ دینے کا آغاز کیا تو لوگ جوق در جوق بدھ کے حلقہ عقیدت میں داخل ہونے لگے۔گوتم بدھ مختلف مواقع پر سنگھ جماعت میں شمولیت کے خواہش مندوں کو سنگھ جماعت میں داخلے کے اصول و ضوابط بتاتے اور لوگوں کو سیدھی راہ دکھاتے۔ستیہ پال آنند نے گوتم کے مواعظ کو منظوم شکل میں بیان کیا ہے۔اس شعری مجموعے کی آخری سات نظمیں گوتم کے مواعظ پر مشتمل ہیں۔شاعر ان نظموں کو''بھیڑ سے یہ کہا تتھا گت نے'' کے عنوان کے تحت قلمبند کیا ہے۔اس حصے میں پہلی نظم ''نئی آنکھیں'' کے عنوان سے ہے جس میں گوتم اپنے عقیدت مندوں کو بتاتے ہیں کہ سنگھ جماعت میں داخلے کے لئے سب سے اہم شرط یہی ہے کہ بھکشو اپنی تمام آرزوؤں اور خواہشات کے ساتھ ساتھ اپنے تمام رشتوں اور سابقہ زندگی کو ترک کر کے حلقہ گوتم میں داخل ہو:

ماں کی آغوش ، ماتھے پر بوسہ
چھاتیوں میں بھری ہوئی شفقت
بہنوں کا پیار، بھائیوں کے چہرے
اور ان سب سے منسلک وہ گھر
جس کی چوکھٹ پھلانگ آئے ہو!
اس لئے جاؤ لوٹ کر اک بار
پہلی آنکھوں کو گھر کی چوکھٹ پر

دفن کر آؤ، تا کہ دیکھ سکو
نئی آنکھوں سے سنگھ کی جانب!(۸)

اس شعری مجموعے کے مذکورہ ذیلی حصے میں دوسری نظم ''سایہ'' کے عنوان سے ہے۔ گوتم انسان کے سائے کے حوالے سے اپنے بھکشوؤں سے یوں گویا ہوتا ہے۔

بھیڑ سے یہ کہا تتھا گت نے
چڑھتا سورج ہو، ڈھلتا سورج ہو
بیٹھ کر کے چلو گے تو، لوگو
اپنا سایہ ہی خود سے کچھ آگے
چلتا پاؤ گے اور تم اس کے(۹)

نظم ''پیڑ کا ٹو گے'' میں ستیہ پال آنند نے گوتم بدھ کے تصورِ محبت پر روشنی ڈالی ہے۔ گوتم نے بھکشوؤں کو نہ صرف انسانوں سے محبت کرنے کا درس دیا بلکہ حیوانات اور نباتات سے بھی محبت اور اچھے سلوک کا حکم دیا۔ وہ اپنے پیروکاروں سے مخاطب ہوتے ہیں:

پھل، جو ہر آتے جاتے موسم میں
سارے گاؤں کے کام آتے تھے
آم، انجیر، بیر، جامن، سیب
ناریل، سنگترہ، انار، کھجور
بے دھیانی میں سب گنوا بیٹھے!
بھیڑ سے یہ کہا تتھا گت نے
پیڑ بھائی ہیں، دوست، ساتھی ہیں
ان کو مت کاٹو، ان سے پیار کرو(۱۰)

ستیہ پال آنند کے مذکورہ شعری مجموعے کا مجموعی طور سے جائزہ لیا جائے تو یہ مجموعہ انتیس نظموں پر مشتمل ہے اور اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں گوتم اور آنند سمیت دیگر بھکشوؤں کے سوال و جواب پر مشتمل مکالموں کو نظمیہ صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ دوسرے حصے میں گوتم کے افکار و خیالات کو مواعظ کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں کل بائیس نظمیں شامل ہیں۔ یہ تمام نظمیں مکالماتی انداز میں تخلیق کی گئی ہیں۔ ان نظموں میں گوتم سے مختلف بھکشو مختلف مسائل پر استفسار کرتے دکھائی دیتے ہیں ۔ یہ بات واضح رہے کہ گوتم اپنے تئیں خود کو تتھا گت کہا کرتے

تھے۔ تتھاگت اصل میں پالی زبان کا لفظ ہے اور سنسکرت زبان میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس لفظ کے مختلف معانی ملتے ہیں جن میں سے ایک معنی قدرتی صلاحیت بھی ہے۔ اس شعری مجموعے میں تمام بھکشو گوتم بدھ کو تتھاگت پکارتے دکھائی دیتے ہیں۔

گوتم بدھ کے ساتھ جن بھکشوؤں کو مذکورہ شعری مجموعے میں مکالماتی گفتگو کرتے دکھایا گیا ہے، ان میں سب سے اہم نام آنند کا ہے۔ تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو آنند، گوتم بدھ کا سوتیلا بھائی تھا جو گوتم بدھ کے حلقہ عقیدت میں داخل ہوا۔ آنند کو گوتم کے خاص پیروکار یا بھکشو کی حیثیت حاصل ہے۔ چند نظموں میں کشپ نامی بھکشو بھی گوتم کے ساتھ مکالمہ کرتے دکھایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں دیگر بھکشو بھی گوتم سے مختلف مسائل و معاملات میں استفسار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

مذکورہ نظموں میں مکالمے کے انداز میں شاعر گوتم کے افکار و خیالات اور فلسفے پر روشنی ڈالتا ہے۔ ان نظموں میں شاعر نے مکالماتی انداز کی آڑ لے کر گوتم کے جن خیالات و تعلیمات پر روشنی ڈالی ہے، ان میں سے ایک اہم فلسفہ گوتم کا نظریہ آواگون ہے۔ ہندو عقیدے کے مطابق انسان ایک جنم سے مکتی کے بعد دوسرا جنم لیتا ہے اور اس جنم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد کسی نئے روپ میں ظاہر ہوتا ہے۔ گوتم بھی اس ہندو عقیدے پر کسی نہ کسی شکل میں یقین کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ گوتم کا یہ ماننا ہے کہ انسان موت کے بعد نئے جنم میں داخل ہو جاتا ہے اور گوتم خود ایک جنم میں حضرت عیسیٰؑ کی صورت میں ظہور پزیر ہوں گے۔ اس جنم میں تمام بھکشو ان کی جان کے دشمن بن کر سامنے آئیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ گوتم کا یہ بھی ماننا ہے کہ ہر جنم میں انسان کے اعمال کا بدلہ اسے اگلے جنموں میں ملتا ہے۔ کسی بھی انسان کی موت کی صورت میں اسے اس خاکی جسم سے تو چھٹکارا مل جاتا ہے مگر اس کے اعمال باقی رہتے ہیں۔ گوتم کے دوسرے اہم فلسفے میں خدا کے تصور اور تصورِ جنت و دوزخ شامل ہیں۔ گوتم کے خدا کے بارے میں تصور پر ستیہ پال روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ گوتم خدا کے وجود سے انکاری نہیں تھا مگر وہ خدا اور اس کی قدرت پر اعتقاد نہیں رکھتا تھا۔ وہ عبادت کو وقت کا ضیاع سمجھتا اور خدا پر اعتقاد رکھنے والوں کو کمزور انسان خیال کرتا۔ جنت، دوزخ اور تقدیر کے بارے بھی گوتم کے تصورات واضح نہیں تھے۔ وہ کسی جنت اور دوزخ کے وجود پر یقین نہیں رکھتا اور نہ ہی انسانی تقدیر پر ایمان لاتا ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ تقدیر پر اعتقاد انسان کو عمل سے دور لے جاتا ہے۔

اس شعری مجموعے میں شاعر نے سنگھ جماعت میں داخلے کی بنیادی شرائط کو بھی نظم کیا ہے۔ سنگھ جماعت میں داخلے کی بنیادی شرائط میں ماضی سے قطع تعلق کو اہمیت حاصل ہے۔ انسان کو اپنے تمام رشتوں اور نفسانی خواہشات سے چھٹکارا پانا نروان کے حصول کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہے۔ اس کے علاوہ گوتم سے ذاتی زندگی کے بارے میں بھی بھکشو استفسار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

ستیہ پال آنند نے ''تتھاگت نظمیں'' میں گوتم بدھ کے افکار و تعلیمات پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے گوتم بدھ کے فلسفے پر لاجواب نظمیں تخلیق کی ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے براہِ راست اسلوب ہی کو اپنایا اور مکالماتی انداز اور

خطابیہ انداز میں افکارِ گوتم کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ گوتم کے افکار و فلسفے، تعلیمات اور بدھ مت مذہب کے بارے میں ستیہ پال آنند کا شعری مجموعہ بعنوان ''تتھا گت نظمیں'' ایک عمدہ شعری دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

ساٹھ کی دہائی میں جن شعرا نے شعرگوئی کا آغاز کیا، ان میں ڈاکٹر اسلم انصاری کا نام بھی خاصا اہم ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں روایتی اسالیب سے وابستہ رہ کر جدت کی نئی راہیں نکالیں۔ وہ ایک صاحبِ طرز شاعر، بالغ نظر نقاد، سنجیدہ ماہر اقبالیات اور نامور محقق ہیں۔ ان کی شاعری کا بنیادی موضوع محبت ہے لیکن محبت کے مختلف زاویے ان کے ہاں دکھائی دیتے ہیں۔ اس حوالے سے وہ خود لکھتے ہیں:

> ''عنفوانِ شباب میں مرے لیے بھی محبت صداقت اور حسن ایک ہی حقیقت کے مختلف نام تھے۔ اس لیے کہ تب اور آج بھی میرے نزدیک عقلی صداقتوں تک رسائی حسن تک رسائی اور حسن تک رسائی، عقلی صداقتوں تک رسائی کے مترادف ہے۔''(۱۱)

ڈاکٹر اسلم انصاری کی طویل نظم ''مرے عزیزو! تمام دکھ ہے'' گوتم بدھ کے فلسفۂ غم کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ یہ نظم کل چونتیس مصرعوں پر مشتمل ہے۔ اس نظم میں شاعر نے گوتم بدھ کے آخری وعظ کو موضوع بنایا ہے۔ اگرچہ مذکورہ نظم کو گوتم بدھ کے کسی وعظ کا ترجمہ تو نہیں کہا جا سکتا مگر یہ نظم گوتم کے فلسفۂ غم کی عکاسی ضرور کرتی ہے۔ نظم کے آغاز میں گوتم بدھ اپنے بھکشوؤں کو جمع کرتا ہے اور ان سے یوں مخاطب ہوتا ہے:

> ''مرے عزیزو،
> مجھے محبت سے تکنے والو
> مجھے عقیدت سے سننے والو،
> مرے شکستہ حروف سے اپنے من کی دنیا بسانے والو
> مرے الم آفریں تکلم سے انبساطِ تمام کی لازوال شمعیں جلانے والو
> بدن کو تحلیل کرنے والی ریاضتوں پر عبور پائے،
> سکھوں کو تجے ہوئے بے مثال لوگو،(۱۲)

مذکورہ مصرعوں میں گوتم کے آخری وعظ کو شاعر خود اپنی زبانی بیان کر رہے ہیں مگر ان کے مخاطب عام لوگ نہیں ہے بلکہ کڑی ریاضت اور نفسانی وجسمانی آرزوؤں کو مار کر ابدی مسرت پانے کے خواہش مند افراد ہیں۔ شاعر سنگھ جماعت میں شامل اپنے بھکشوؤں سے مخاطب ہے جنہوں نے ابدی مسرت کے حصول کے لیے تمام دنیاوی رشتوں اور نفسانی خواہشات کو ترک کر دیا۔ بقول محمد افتخار شفیع:

> ''یہاں شاعر کے مخاطب بھی عام لوگ نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو بدن کو تحلیل کرنے والی ریاضتوں کے بعد سکھ کو تج کے حیات الم آفریں تکلم سے من کی بستیوں کو بسانا چاہتے ہیں۔ یہاں بدھا کے بھیس میں

شاید اسلم انصاری محوِ کلام ہیں جو گوتم کے ابد گیر لہجے میں حیات و ممات کے مخفی گوشوں سے پردہ اٹھاتے ہیں۔"(۱۳)

آگے چل کر گوتم کا کردار اپنی موت اور شکست و ریخت کا اعلان کرتا ہے۔ وہ اپنے سامعین کو آگاہ کرتا ہے کہ اس کی زیست کا وقت اب پورا ہو چکا ہے اور بہت جلد موت کا آہنی پنجہ اسے دبوچ لے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گوتم بدھ اپنی موت کے لمحات سے آگاہ ہے:

حیات کی رمز آخریں کو سمجھنے والو۔۔۔عزیز بچو، ۔۔۔میں بجھ رہا ہوں
مرے عزیزو، میں جل چکا ہوں
مرے شعورِ حیات کا شعلہ جہاں تاب بجھنے والا ہے
مرے کرموں کی آخری موج مری سانسوں میں گھل چکی ہے
میں اپنے ہونے کی آخری حد پہ آ گیا ہوں (۱۴)

نظم کے اگلے حصے میں گوتم اپنے فلسفۂ غم سے سامعین کو آگاہ کرتا ہے۔ وہ یہ راز آشکار کرتا ہے کہ انسان کا وجود اور انسانی زندگی کرب کی مختلف اشکال ہیں۔ انسان اس دنیا میں غیر یقینی صورتِ حال سے دوچار ہے۔ جدائی تو انسان کو دکھی اور غمزدہ کرتی ہی ہے مگر وصل بھی دکھ ہی کی ایک قسم ہے کیونکہ ملنے والے وصل کے بعد ضرور جدا ہوں گے اور انسانی زندگی کو ہر سو دکھوں نے گھیر رکھا ہے۔ بدھا کہتے ہیں:

"It is true that every thing in this life is transitory and filled with uncertainity, but it is lamentable that anyone should ignore this fact and keep on trying to seek enjoyment and satisfaction of his desires."**(15)**

گوتم کا خیال ہے کہ جو دکھ کی حقیقت کو پا گیا وہ کائنات کے پوشیدہ رازوں سے واقفیت حاصل کر گیا اور ابدی مسرت کا حصول بھی ان افراد کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ گوتم کا کردار اس وعظ میں دکھ کی مختلف اشکال کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے سامعین سے یوں مخاطب ہوتا ہے:

میں دکھ اٹھا کر۔۔۔مرے عزیزو!۔۔۔میں دکھ اٹھا کر
حیات کی رمز آخریں کو سمجھ گیا ہوں: تمام دکھ ہے
وجود دکھ ہے، وجود کی یہ نمود دکھ ہے
حیات دکھ ہے، ممات دکھ ہے

یہ ساری موہوم و بے نشاں کائنات دکھ ہے![۱۶]

اسلم انصاری نے اپنی نظم ''میرے عزیزو! تمام دکھ ہے'' میں گوتم بدھ کے فلسفۂ غم کی تصویر کشی کی ہے۔ نظم کے آغاز میں شاعر نے مذکورہ نظم کو گوتم کا آخری وعظ قرار دیا ہے۔ شاعر نے نظم میں گوتم کا کردار تراشا ہے جو اپنی موت سے قبل اپنے بھکشوؤں اور پیروکاروں سے مخاطب ہو کر زندگی کے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھاتا ہے اور دکھ کی حقیقت بتاتا ہے۔ مذکورہ نظم میں شاعر نے خطابیہ لہجے میں گوتم کے کردار کی مدد سے گوتم کے فلسفۂ غم کو اجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

اشرف یوسفی جدید اُردو نظم کا معتبر نام ہے۔ وہ ایک عرصے سے اردو شعر و ادب سے وابستہ ہیں۔ انہوں نے ارد و نظم کے ساتھ ساتھ اُردو غزل میں بھی تخلیقی کاوشیں کیں تاہم جدید اُردو نظم کی طرف ان کا میلان غزل کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ اشرف یوسفی نے اپنی نظموں میں اساطیر سے بہت کام لیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کا اساطیری مطالعہ نہایت وسیع ہے۔ انہوں نے اپنی نظموں میں اساطیری کردار بھی تراشے ہیں۔ موضوعاتی اور اسلوبیاتی ہر دو سطح پر اشرف یوسفی کی نظمیں ان کے پختہ شعری شعور کی غماز ہیں۔

اشرف یوسفی کی طویل نظم ''کپل سنگھاسن کے شاہ زادے زمیں سے نافہ تلاش کرنا'' میں کپل وستو کے شہزادے سدھارتھ سے گوتم بدھ بننے کے سفر کو شعری صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ نظم کے آغاز میں شاعر نے شہزادہ سدھارتھ کی پُرتعیش زندگی کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

ترے مکٹ میں وہ بیش قیمت زر و جواہر تھے جن کی ساحر چمک نے عالم کو اپنی گردش میں باندھ رکھا ہے وہ نگینے کہ جن کی ضَو سے قلم کی حرمت بھی ڈگمگائے وہ آبگینے کے رنگِ مے سے شعاعیں پھوٹیں[۱۷]

مذکورہ بالا دو بند گوتم کی ابتدائی زندگی کی عیش و عشرت کو ظاہر کرتے ہیں۔ انتیس سال کی عمر تک گوتم بدھ نے پُرتعیش زندگی گزاری اور دنیا کے مصائب سے بے گانہ رہے۔ راجہ شدودھن کے محل کی خوبصورتی اور شان و شوکت کا نقشہ شاعر نے بڑے عمدہ طریقے سے ان مصرعوں میں کھینچا ہے۔ مہکی ہوئی فضائیں، پھولوں سے لدے ہوئے باغات، شان و شوکت، بہتی ندیاں اور پُرشکوہ عمارات جیسے مناظر کی تصویر کشی سے شہزادہ سدھارتھ کے ابتدائی ایام کی عیش و عشرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ نظم کے اگلے حصے میں شاعر شہزادہ سدھارتھ میں آنے والی حیرت انگیز تبدیلی کا ذکر کرتا ہے:

مگر یہ کیا کہ تیری آنکھیں اس استراحت نواز بستر پہ اپنی نیندوں سے منحرف ہیں
اس عیش و عشرت سے روکشیدہ اور اپنے ماحول سے گریزاں
بس ایک موہوم آرزو میں تو اپنے خوابوں کا ہاتھ تھامے سخن کی پُرخار وادیوں
میں گلیم پوشوں سے آملا ہے
یہ خواب پارے یہ لوح آفاق کے ستارے ورق ورق جو اُتر رہے ہیں

نبوتوں کی بشارتیں ہیں
یہ ''اوحیٰ آحیٰ'' یہ نورِ مطلق جو ایک مرکز سے آئینوں پر اُتر رہا ہے، یہ ابتلا میں
غبار گریہ سے متصف ہے
یہ سب صحیفے جو شہرِ عشرت کے ساکنوں پہ اگر اُترتے تو صرف شاہوں کے ہاتھ آتے
کپل سنگھاسن کے شاہ زادے میں جانتا ہوں کہ تیری مٹی میں نخل رویا پنپ رہا ہے
ترے لہو میں نمو کا رس تھا جو تیری مٹی میں بارشوں نے جگا دیا ہے (۱۸)

شاعر مذکورہ بالا مصرعوں میں شہزادہ سدھارتھ کے اندر آنے والی بے پناہ تبدیلی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ شہزادے سدھارتھ کو ہر آسائش ہر سامانِ حیات بھی سکون نہ دے سکا اور سکون اور فکری بالیدگی کی تلاش میں اس نے اپنے گھر بار، تمام رشتہ داروں، والدین، بیوی اور بچے اور دنیاوی آسائشوں کو خیر باد کہہ دیا اور جوگ اختیار کر لیا۔ شاعر مزید بتاتا ہے کہ گوتم سے منسلک افراد کو گوتم کے باطن میں برپا ہونے والے ہیجان کا قطعی طور اندازہ نہیں تھا کہ گوتم زندگی کی تمام آسائشوں اور عیش و عشرت سے بھرپور زندگی کو تیاگ کر نروان کی تلاش میں جنگلوں کی طرف نکل جائے گا:

ترے سنگھاسن کے چوب داروں، ترے وزیروں ترے پیادوں، تری کنیزوں نے کب یہ سمجھا تھا
کب یہ دیکھا کہ تیرے اندر وہ نخل رویا کی خوشبوئیں ہیں
بنوں میں جس سے ہوائے تازہ
گلاب چہروں پر جس سے غازہ
شفق کے رُخ پر گلال جس سے
طلوعِ حسنِ خیال جس سے
گداز ہجر و وصال جس سے
چراغِ شامِ ملال جس سے
یہ دشت جس سے غزال جس سے
یہ نخل رویا کی خوشبوئیں ہیں کہ جن سے اندر کی آنکھ کھلتی ہے اور انساں
ظہورِ فطرت میں نورِ وحدت کو دیکھتا ہے
یہ کس نے سمجھا یہ کس نے دیکھا

تری جبیں کی چندر ماریکھا

یہ تیری انگلی پہ ایک ستارہ

یہ آنکھ کا دوسرا کنارہ، اسی ستارے کی روشنی میں تو لوحِ محفوظ پڑھ رہا ہے (۱۹)

شاعر نے نظم میں اُن درد انگیز جذبات و احساسات کو زندہ کرنے کی کوشش کی ہے جو ہر قسم کی سہولیات اور آسائشوں کے باوجود گوتم بدھ کے دل و دماغ کو گرفت میں لے لیتے ہیں۔نظم کے آخری طویل بند میں شاعر نے گوتم کے اساطیری کردار کی مدد سے اپنے عصر اور سماج کے المیے کو بھی آشکار کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ رومانوی اور دل فریب منظر کشی شروع ہونے والی نظم عصرِ حاضر میں انسان کو درپیش سماجی اور معاشی مسائل اور انسانی کرب پر آ کر ختم ہو جاتی ہے:

کپل سنگھاسن کے شاہ زادے تجھے خبر ہے تو جس قبیلے سے اپنا رشتہ بنا رہا ہے

یہ خواب خوشبو سے پلنے والے چھتوں کے عادی نہیں رہے ہیں

کوئی لبادہ بدن پہ پورا نہیں رہا ہے

کوئی بھی پودا ہو شاہ زادے! وہ اپنی مٹی کے ساتھ پلتا ہے اپنی آب و ہوا میں پھلتا ہے

نخل رویا کو شیش محلوں سے کیس نسبت یہ نخل رویا ہے شاہ زادے ہماری مٹی کا پیڑ ہے یہ

ہماری مٹی میں سانس لے گا (۲۰)

اشرف یوسفی نے مذکورہ نظم میں گوتم کا اساطیری کردار تراشا ہے اور اس کی پوری زندگی کا نقشہ بھرپور انداز میں کھینچا ہے۔نظم کا آغاز تمثال کاری سے ہوتا ہے اور شاعر شہزادے سدھارتھ کی پُر آسائش زندگی کو شعری صورت میں بیان کرتا ہے اور پھر حصولِ نروان کی خاطر گوتم کے مراقبے کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔عمران از فراس نظم کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''یوسفی کی نظم'' کپل سنگھاسن کے شاہ زادے زمیں سے نافہ تلاش کرنا'' اس ذہنی مجاہدہ کی بہترین نمائندگی کرتی ہے۔نظم میں ہندی اسطورہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔نظم گوتم بدھ کے راج محل سے جنگل تک کے سفر کا بہترین اظہاریہ ہیں۔۔۔ اشرف یوسفی کی یہ نظم محض گوتم بدھ کے حالات و واقعات کا بیانیہ نہیں بلکہ اس ساری صورتِ حال کے جوڑتا ہے جو گوتم کے فکری عرفان کا حاصل ہے اور اُس رزمیہ داستان کا حصہ بناتا ہے جو آج جاری و ساری ہے۔'' (۲۱)

شاعر نے گوتم کا اساطیری کردار تراش کے عہد حاضر میں رزمیہ صورتِ حال اور انسانی مصائب کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔اسی طرح انھوں نے اپنی نظم ''مکتب'' میں برگد کے بوڑھے درخت کی تلمیح بھی استعمال کی ہے۔ برگد کا یہ درخت جو صدیوں سے گیان بانٹ رہا ہے۔ دانش کی علامت کے طور پر بھی سامنے آتا ہے۔اسی طرح ان کی چند دیگر نظموں میں بھی گوتم بدھ کے اساطیری کردار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مگر ان کی طویل نظم ''کپل سنگھاسن کے شاہ زادے زمیں سے

نافہ تلاش کرنا'' گوتم کے حوالے سے خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔

جدید اردو نظم پر فلسفہ گوتم بدھ کے اثرات کا مجموعی طور سے جائزہ لیا جائے تو کئی نامور اور قابل قدر شعرا نے اپنی نظموں میں گوتم بدھ کے افکار و نظریات کو موضوع بنایا۔ اس ضمن میں سب سے اہم نام ستیہ پال آنند کا ہے جنھوں نے اپنے شعری مجموعے بعنوان ''تتھا گت نظمیں'' میں گوتم کے افکار و خیالات کو آشکار کیا۔ یہ شعری مجموعہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں مکالماتی انداز میں بھکشو آنند اور دیگر پیروکاروں کے ساتھ گوتم کے مکالموں کو نظم کیا گیا ہے۔ اس مکالماتی انداز کی آڑ میں شاعر نے گوتم کے افکار و تصورات کو بیان کیا ہے۔ ان میں گوتم کے خدا کے بارے میں نظریات، جنت اور دوزخ کے بارے میں گوتم کے افکار، گوتم کا فلسفۂ غم اور حصولِ نروان کے طریقوں پر بھرپور بحث کی گئی ہے۔ دوسرے حصے میں شاعر نے تتھا گت کے عام لوگوں اور بھکشوؤں کے اجتماعات سے مواعظ کو نظم کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس شعری مجموعے میں شاعر نے کلی طور پر گوتم کی فکر کو موضوع بنایا ہے۔

گوتم بدھ کی فکر کے حوالے سے ڈاکٹر اسلم انصاری اور اشرف یوسفی کی نظمیں بھی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں اور مذکورہ دونوں شعرا نے اپنی نظموں میں گوتم بدھ اور ان کے افکار کو بھرپور انداز سے موضوع بنایا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ ستیہ پال آنند، تتھا گت نظمیں، نئی دہلی: پبلشرز اینڈ ایڈورٹائزرز، ۲۰۱۵، ص:۱۰، ۱۱

۲۔ ایضاً، ص: ۱۵، ۱۶

۳۔ ایضاً، ص: ۲۶

۴۔ ایضاً، ص: ۳۴، ۳۵

۵۔ ایضاً، ص: ۱۲

۶۔ محمد مظہر الدین صدیقی، اسلام اور مذاہبِ عالم، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، بارِ ششم، ۱۹۹۹ء، ص: ۲۲

۷۔ ستیہ پال آنند، تتھا گت نظمیں، ایضاً، ص: ۵۳

۸۔ ایضاً، ص: ۱۱۷، ۱۱۸

۹۔ ایضاً، ص: ۱۳۰

۱۰۔ ایضاً، ص: ۱۳۲

۱۱۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، تکلمات، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۰ء، ص: ۲۵

۱۲۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، خواب و آگہی، ملتان: کاروانِ ادب، بارِ دوم، ۱۹۹۳ء، ص: ۱۰۸

۱۳۔ محمد افتخار شفیع، ڈاکٹر اسلم انصاری: شخصیت اور فن، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۰ء، ص:۶۴

۱۴۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، خواب و آگہی، ایضاً، ص:۱۰۸۔۱۰۹

15. The Teaching of Buddha, Tokyo: Kasaido Printing Co.Ltd, 1995 A.D, P: 196

۱۶۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، خواب و آگہی، ایضاً، ص:۱۰۹،۱۱۰

۱۷۔ اشرف یوسفی، بیل اُس دریچے کی، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۰۷ء، ص:۸۰

۱۸۔ ایضاً، ص:۸۰،۸۱

۱۹۔ ایضاً، ص:۸۲

۲۰۔ ایضاً، ص:۸۳،۸۴

۲۱۔ عمران ازفر، اشرف یوسفی کی نظم: امکان کا تخلیقی انکشاف (مضمون)، مشمولہ: نقاط، سہ ماہی ادبی جریدہ، شمارہ ۱۱، فیصل آباد: نقاط مطبوعات، دسمبر، ۲۰۱۲ء، ص:۱۶۸،۱۶۹